غزوۂ بدر کے بنیادی اسباق

ڈاکٹر عصمت اللہ ○

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ، غزوۂ بدر ہے۔ ’غزوہ‘ عربی کا لفظ اور ’غزوٗ‘ سے ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم ہے طلب کرنا، قصد کرنا، کسی گروہ سے لڑائی کے لیے جانا۔ اسی سے اردو میں عام مستعمل لفظ ’غازی‘ ہے۔ اسی سے مغزی الکلام ہے، جس کا معنی کلام کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ مغازی سے مراد نبی کریمؐ کی جنگی سیرت بھی ہے۔ غزوہ اصطلاحاً ایسی جنگ کو کہتے ہیں، جس میں حضورؐ نے شرکت فرمائی، چاہے مسلح جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

علما مغازی و سیر کے نزدیک غزوات رسول کی تعداد ۲۷ ہے، جن میں سے صرف ۹ غزوات میں قتال پیش آیا۔ آپ نے تقریباً ۷۰ سرایا میں صحابہ کرامؓ کو روانہ فرمایا۔ جن میں سے بعض کا مقصد جہاد کرنا اور بعض کا مقصد دعوت اسلام پیش کرنا تھا۔ غزوۂ بدر کی تفصیل و واقعات تو لوگ پڑھتے ہیں، لیکن اسباق کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ یہاں اس پہلو پر روشنی ڈالیں گے:

غزوۂ بدر تاریخِ اسلام کا اہم ترین واقعہ ہے، جو حق و باطل کے درمیان ایک کش مکش کے نتیجے کے طور پر معرضِ وجود میں آیا اور ایک عظیم الشان عالمگیر انقلاب کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔ اس عظیم تاریخی غزوہ کے سب سلسلہ وار واقعات و اسباب کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اِس میں علم و حکمت، عبرت و موعظت اور احکامِ شریعت کا ایک گراں قدر خزینہ ملتا ہے؛ جس کا ایک ایک نکتہ اُمتِ مسلمہ کے لیے فلاحِ دارین کے سفر میں مشعلِ راہ کا کام دے سکتا ہے۔

حق و باطل کی کش مکش

حق و باطل، خیر و شر، اسلام و جاہلیت کی حریفانہ کش مکش اتنی ہی پرانی ہے جتنا خود انسان کا

○ پروفیسر شعبہ اسلامیات، لاہور لیڈز یونی ورسٹی، لاہور

اپنا وجود۔ حق و باطل کا پہلا تصادم جنت میں ہوا تھا، جہاں آدمؑ وحواؑ حق وصداقت کے علَم بردار اور شیطان ملعون شر و باطل کا نمایندہ تھا۔ اس ٹکراؤ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اصل منصوبۂ تخلیق کے مطابق دونوں متحارب فریقوں کو کرۂ ارض پر اتار کر معرکہ آرائی کے لیے ایک وسیع وعریض میدانِ کارزار مہیا کر دیا، جہاں خیر وشر کی طاقتوں کے مابین کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ شروع ہوئی جو آج تک جاری ہے۔

غزوۂ بدر بھی درحقیقت جنت سے شروع ہونے والے اسی معرکۂ خیر وشر کی ایک اہم کڑی تھی۔ قرآن مجید نے اُس دِن کو جس میں یہ فیصلہ کن معرکہ پیش آیا، دو ناموں سے ذکر کیا ہے:

۱- یوم الفرقان: یعنی حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے کا دِن۔

۲- یوم التقی الجمعان: حق و باطل کے دو لشکروں کے تصادم اور ٹکراؤ کا دِن۔

اِس لحاظ سے یہ واحد ایسا معرکۂ حق و باطل ہے جس میں کفروشرک کے مدارالمہام ابلیسِ لعین نے بھی شرکت کی اور اپنے پیروکاروں کو برملا یہ تسلی دی کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ قرآنِ مجید نے غزوۂ بدر میں اِس شرکت کا تذکرہ اِن الفاظ میں کیا ہے:

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸ (الانفال ۸:۴۸) اور شیطان نے ان کے کرتوت ان کی نظروں میں مزین کر دیئے اور کہنے لگا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ الٹے پاؤں بھاگ نکلا۔ کہنے لگا: میں تم سے بری الذمہ ہوں اور جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر لگ رہا ہے اور اللہ کی سزا بہت سخت ہے۔

دشمن کی معاشی و اقتصادی قوت پر ضرب لگانا

غزوۂ بدر کا پہلا سبق یہ ہے کہ دشمن کی معاشی و اقتصادی قوت کو سب سے پہلے ضرب لگا کر تباہ کیا جائے۔ جنگ ایک ایسا عمل ہے جسے شروع کرنا یا جاری رکھنا بے پناہ مالی و اقتصادی وسائل کا متقاضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقتصادی و مالی لحاظ سے کمزور و پسماندہ ممالک جنگ کا جھٹکا برداشت

نہیں کر سکتے۔ جنگی حکمتِ عملی کا تقاضا ہے کہ دشمن کی اقتصادی قوت کو مفلوج کر دیا جائے تا کہ وہ میدانِ جنگ میں اترنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔

نبی کریمؐ نے بھی مدنی دور میں یہی حکمتِ عملی اپنے دشمنوں کے خلاف اختیار کی تھی۔ بخاری اور مسلم کی روایت کردہ صحیح حدیث میں ہے کہ یمامہ کے قبیلہ بنوحنیفہ کے رئیس ثمامہ بن اثالؓ حنفی گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے تو نبی کریمؐ کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے اور نبی کریمؐ کی اجازت سے عمرہ کرنے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ دورانِ طواف کفارِ قریش کو معلوم ہوا کہ انھوں نے آبائی دین ترک کر دیا ہے تو انھیں طعنے دینے لگے: تم بھی بے دین ہو گئے؟ تو کہا کہ میں بے دین ہرگز نہیں ہوا بلکہ حضرت محمدؐ پر ایمان لا کر مسلمان ہوا ہوں۔ پھر انھوں نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! جب تک اللہ کے رسولؐ اجازت نہیں دیں گے، یمامہ سے گندم کا ایک دانہ تمھارے لیے نہیں آئے گا۔ تم نے طوافِ کعبہ میں رکاوٹ ڈالی، میں تمھارا غلہ بند کر دوں گا! چنانچہ وہ عمرہ سے واپس اپنے علاقہ میں پہنچے تو خوراک گندم وغیرہ کی فراہمی بند کر دی اور مکہ میں قحط کی سی صورت حال پیدا ہونے لگی۔ قریش کی ساری اکڑفوں ہوا ہو گئی اور نبی کریمؐ کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے، اور نبی کریمؐ سے ثمامہ بن اثالؓ کے نام تحریری حکم جاری کروایا کہ ان کا غلہ و خوراک کی فراہمی بحال کر دو۔ چنانچہ ثمامہؓ نے تعمیلِ حکم میں فوراً غلے کی فراہمی بحال کر دی۔

اقتصادی بائیکاٹ کی ایک دلیل حضرت سعد بن معاذؓ کا واقعہ بھی ہے۔ وہ ایک مرتبہ فتح مکہ سے قبل سفرِ مکہ پر تشریف لے گئے اور اپنے قدیم دوست امیہ بن خلف کے ہاں قیام کیا۔ جن سے طے ہوا کہ طوافِ کعبہ ایسے وقت میں کیا جائے جب عام لوگ نہ ہوں تا کہ انھیں کوئی اذیت نہ پہنچے۔ چنانچہ عین دوپہر کے وقت شدید دھوپ میں جب وہ طواف کر رہے تھے تو اچانک ابوجہل نے ان کو دیکھ لیا اور پھٹ پڑا: تم لوگوں نے محمد کو حفاظت اور پناہ مہیا کر رکھی ہے! اور یہاں ہمارے شہر میں آکر اتنے اطمینان سے طواف بھی کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں کر رہا ہوں۔ پھر دونوں میں تلخ کلامی ہونے لگی، تو امیہ بن خلف نے حضرت سعد بن معاذؓ سے کہا: ابوالحکم وادیٔ مکہ کے سردار ہیں۔ ان کے سامنے اپنی آواز اونچی مت کرو۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے اس پر بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا: اگر تم نے مجھے طوافِ بیت اللہ سے روکا تو میں تمھارا شام کا تجارتی راستہ بند کر دوں گا۔

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خبری ترسیل کے نظام کو فعال بنایا کہ قریش کے تجارتی قافلوں کی آمدورفت اورنقل وحرکت پر نظر رکھیں۔ چنانچہ آپؐ کو اطلاع دی گئی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے کافی مالِ تجارت لے کر واپس آرہا ہے تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: شاید اللہ تعالیٰ اس قافلے کو غنیمت کے طور پر ہمیں عنایت کردے۔ اس پر کچھ لوگ نکلے اور کچھ پیچھے رہ گئے کیونکہ صرف تجارتی قافلہ کو روکنا مقصود تھا، جس کے لیے کسی بڑی قوت کی ضرورت نہ تھی۔ مسلمانوں کی اِس خواہشِ قافلۂ تجارت کا ذکر قرآن مجید نے بھی کیا ہے:

> (ترجمہ) ذرا وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ فرما رہے تھے کہ دونوں گروہوں، تجارتی قافلہ اورلشکر میں سے ایک ضرور تمھارے ہاتھ لگے گا اورتم دل سے یہ چاہ رہے تھے کہ وہ تمھارے ہاتھ لگے جو کیل کانٹے سے لیس نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے فیصلوں سے حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔(الانفال۸:۷)

دشمن کے تجارتی و اقتصادی مفادات کو ضرب لگانے کا سلسلہ نبی کریمؐ نے جاری رکھتے ہوئے کئی فوجی مہمات محض اس مقصد سے روانہ فرمائیں کہ قریش کے تجارتی قافلوں کو روکیں، ان کا تجارتی مال قبضے میں لیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کا معمول کا تجارتی راستہ جو آسان اور قریب تھا اور مدینہ منورہ کی مغربی جانب سے گزرتا تھا، بالکل بند ہوکر رہ گیا۔ چنانچہ اب قریش نے مدینہ منورہ سے ہٹ کر ذرا دُور بجانبِ مشرق لیکن نسبتاً محفوظ راستہ اپنے تجارتی قافلوں کے لیے منتخب کیا تو نبی کریمؐ کے خبررسانی کے نظام نے فوراً اطلاع دی اور نبیؐ نے نئے راستے پر بھی چھاپہ مار پارٹیاں بھیجنا شروع کردیں۔ انھی مہمات میں سے ایک مہم حضرت زید بن خالدؓ کی سرکردگی میں روانہ کی گئی، جنھوں نے قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارا، جو مدینہ منورہ کی مشرقی جانب سے ہوتا ہوا بچ کر نکلنا چاہ رہا تھا۔ حضرت زیدؓ کے اچانک چھاپہ سے وہ سخت گھبرائے۔ ان کا سارا مال واسباب مسلمانوں نے قبضہ میں لے لیا۔ اس طرح شام کے ساتھ قریش کی تجارت تقریباً بند ہوکر رہ گئی۔

اس لیے سنتِ جہاد یہ ہے کہ مسلم امت، عوام، مجاہدین اور حکومت، برسرِ جنگ دشمن کی اقتصادی طاقت اور معیشت کو تباہ کرنے کی کوشش کریں اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس کے نتیجے

میں دشمن کو کوئی معاشی فائدہ یا اقتصادی مفاد حاصل ہو سکے۔ برسرِ جنگ دشمن کے ساتھ ہر قسم کی تجارت یا دشمن کی افرادی قوت کو روزگار مہیا کرنا یہ سب کام شرعاً ممنوع ہو جائیں گے'۔ اگر مسلمان ممالک یہ اہتمام کریں کہ اسلام اور مسلمانوں سے کھلی دشمنی رکھنے والے ممالک کے ساتھ درآمدی یا برآمدی تجارت نہیں کریں گے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی اقتصادی قوت کمزور ہونا شروع ہو جائے گی۔

فتح و نصرت کی بنیاد

فتح کا دارومدار محض افواج کی کثرتِ تعداد، عمدہ اسلحہ اور بہتر تیاری پر نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے فتح سے نواز دے اور جسے چاہے شکست سے دوچار کردے۔ اگر فتح و کامیابی کثرتِ تعداد و اسلحہ پر موقوف ہوتی تو غزوۂ بدر میں لازماً قریش کو فتح نصیب ہوتی کیونکہ لشکرِ اسلام کے مقابلے میں اُن کی تعداد تین گنا تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں بدترین شکست سے دوچار کیا۔ غزوۂ بدر میں یہ ایک بڑا سبق ہے جسے قرآن نے بھی اِن الفاظ میں بیان کیا:

> (ترجمہ) یہ نزول ملائکہ تمھارے لیے صرف خوش خبری اطمینانِ قلب کا ذریعہ ہے اور فتح و نصرت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو غالب و حکمت والا ہے۔ (الانفال۸:۱۰)

غزوۂ بدر کوئی واحد مثال نہیں ہے، جس میں مٹھی بھر گروہ نے لشکرِ جرار پر فتح پائی ہو۔ فرمایا:

> كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۲۴۹)
>
> (البقرہ ۲:۲۴۹) بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔

خبر رسانی اور معلومات کی فراہمی کا مضبوط نظام

غزوۂ بدر میں سبق کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس میں دشمن کی تعداد، اسلحہ، پڑاؤ، نقل و حرکت اور عزائم وغیرہ کے بارے میں تازہ ترین اِطلاعات حاصل کرنے کے لیے خبر رسانی کے نظام کو نہ صرف یہ کہ استعمال میں لایا گیا بلکہ نبی کریمؐ نے بنفسِ نفیس اِس نظام میں شرکت فرما کر بہترین اسوہ قائم کیا۔ عسکری اور جہاد کے بارے میں اطلاعاتی و مخابراتی کارکنان کو شوق و ترغیب دلائی اور بذاتِ خود سرپرستی کرکے اس کی اہمیت کی جانب متوجہ کیا۔

تفویض و تقسیمِ کار

نبی کریمؐ ، اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے۔ آپؐ انسانی نفسیات سے گہری واقفیت رکھنے والے اور بہترین تنظیمی و عسکری صلاحیتوں کے مالک بھی تھے۔ مدینہ سے جہاد پر روانہ ہوتے وقت آپؐ نے اُس زمانے کے معروف حربی تنظیمی اصولوں کے مطابق اپنے لشکر کو ترتیب دیا، مناسب فرد کو مناسب جگہ ذمہ داری پر متعین کیا۔ پرچم عطا فرمائے۔ مختلف افراد اور قبائل میں مختلف ذمہ داریاں اِس طریقے سے تقسیم کیں کہ سب قبائل اور گروہوں کے ساتھ ساتھ افراد میں بھی اِحساسِ شراکت پیدا ہوا۔ آنحضوؐر زمانہ قبل از نبوت میں تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کی تنصیب کے تنازعے کو حل کر کے عوام الناس میں حکمت و تدبر اور دانش مندی کے اونچے مرتبہ پر فائز تھے۔

امارت و قیادت کی اہمیت

نبی اکرمؐ غزوۂ بدر کے لیے مدینہ منورہ سے نکلے تو حضرت عبداللہؓ بن اُمِ مکتومؓ کو مسجد نبوی کا امام اور حضرت ابولبابہؓ بن عبد المنذر کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا۔ اس سے اسلام کی نظر میں اجتماعیت کی اہمیت و مقام معلوم ہوتا ہے۔ درحقیقت اسلام نے ہر معاملے میں اجتماعیت کو ملحوظ رکھا ہے۔ عبادات میں نماز کی اجتماعی شان نمازِ باجماعت سے عیاں ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ نے فرمایا: تین آدمی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر مقرر کر لیں۔

ایفائے عہد

نبی کریمؐ نے غزوۂ بدر میں افراد کار کی شدید کمی کے باوجود حضرت حذیفہؓ بن یمان اور ان کے والد کو محض اس لیے واپس کر دیا کہ وہ قریش سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ ان کے خلاف جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ رسول اکرمؐ کے اس طرزِ عمل سے ایفائے عہد کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ آپؐ نے ساری حیاتِ طیبہ کے دوران اس اصول کی پابندی کی۔ صلحِ حدیبیہ کے موقعے پر حضرت ابو جندلؓ اور بعد میں ابو بصیرؓ نہایت مظلومیت کی حالت میں قریش کی قید سے نکل کر مسلمانوں تک پہنچنے میں بمشکل کامیاب ہوئے اور بار بار عاجزانہ درخواستیں کیں کہ اُن کو قریش کے حوالہ نہ کیا جائے، لیکن باوجود اس کے کہ خود آپؐ کو ان پر ترس آتا تھا۔ لیکن آپؐ نے رحمت للعالمین اور نبی رؤف و رحیم ہونے کے باوجود معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے، ان کو واپس قریش کے

حوالے کر دیا۔ یہ دراصل عملی تعلیم تھی کہ وعدہ اگر دشمن سے بھی کیا جائے تو اسے نبھانا اور پورا کرنا لازم ہے۔ بالخصوص اگر عہد یا معاہدہ بین الاقوامی سطح پر غیر مسلموں کے ساتھ ہو تو اس کی پابندی نہایت ضروری ہے اور ایک اِسلامی ریاست کے خارجہ پالیسی کا طرۂ امتیاز ہی ایفائے عہد اور معاہدات کی پابندی ہونا چاہیے۔

غیر مسلموں کو دعوتِ دین اور جہاد میں مدد لینے کا شرعی حکم

نبی کریمؐ غزوۂ بدر کے لیے مدینہ منورہ سے باہر نکل چکے تھے کہ عرب کا مشہور قوی الجثہ طاقت ور پہلوان حاضر ہوا اور پیش کش کی وہ بھی آپؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہو کر قریش کے خلاف لڑنا چاہتا ہے۔ نبیؐ نے اُس کی پیش کش قبول نہ فرمائی اور حکمت کے ساتھ اس کے سامنے اِسلام قبول کرنے کی دعوت پیش کی اور مسلمان ہو جانے کی صورت میں جنگ میں شرکت کا موقع دینے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اُس شخص نے اِسلام قبول کر لیا اور پھر جہاد میں شرکت کی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ غزوۂ بدر حق و باطل کے مابین پہلا فیصلہ کن معرکہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ مجاہدین حق کے لشکر میں باطل کی آمیزش کسی بھی انداز میں واقع ہو۔ کسی غیر مسلم قوت کے خلاف جہاد میں کسی دوسری غیر مسلم قوت سے کسی بھی طرح کی امداد حاصل کرنا شرعاً اگرچہ ناجائز نہیں تھا، لیکن نبی کریمؐ، غزوۂ بدر کے نظریاتی پہلو کو نکھارنے کی خاطر کسی غیر مسلم کو اس میں شرکت کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

جنگی مہمات میں بچوں اور نوجوانوں کا کردار

غزوۂ بدر کے موقع پر نبی کریمؐ نے بچوں اور نابالغوں کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی اور سب کم عمر بچوں کو واپس کر دیا، اِلا یہ کہ کسی نے رضاکارانہ اپنی خدمات پیش کر کے شرکت پر اصرار کیا تو آنحضورؐ نے بعض حالتوں میں اجازت دی۔ عام قاعدہ اور اصول یہی تھا کہ کم عمر بچوں کو جنگ میں شریک نہ کیا جائے۔ یورپی معاشرہ چودہ صدیاں بعد اگر بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے کاغذی معاہدوں تک پہنچ سکا ہے تو نبی رحمتؐ نے غزوۂ بدر میں ہی بچوں کے حقوق کی عملاً حفاظت کی بہترین مثال قائم کی جس کی پابندی نبی کریمؐ کے امتی ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔

تاہم، جو نوجوان سنِ شعور و تمیز کو پہنچ جائیں اور جہاد کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے، محض رضائے الٰہی کے لیے حصّہ لینا چاہیں، تو انھیں اجازت دی گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی معاملات میں بچوں کی بھی بہرحال ایک اہمیت ہے اور بعض اوقات یہ ایسے کارنامے سرانجام دیتے ہیں جو بڑوں کے بس میں بھی نہیں ہوتے اور نوجوان تو بہرحال ہراوّل دستہ ہیں۔

معذور افراد کے لیے جہاد میں شرکت لازمی نہیں

اسلام دین فطرت و رحمت ہے اور اپنے پیروکاروں پر سختی و تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ صاحبِ عذر کمزوروں اور بیماروں کو اپنے احکامات میں ہر ممکن مناسب رعایتیں دیتا ہے۔ جملہ شرعی احکامات میں انسان کی تمام فطری کمزوریوں اور مجبوریوں کی بھرپور رعایت دیتا ہے اور ایسے تمام افراد کو جہاد میں شرکت کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے جو بیمار یا معذور ہوں یا دوسری کسی واقعی مجبوری میں گرفتار ہونے کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکتے ہوں۔ اسی وجہ سے غزوۂ بدر میں نبی کریمؐ نے دو نابینا صحابہ کرامؓ ابواحمد عبد بن جحش اور ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہما کو شرکت سے استثنا دیا، اور حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتومؓ کو مسجد نبوی کا امام مقرر کر دیا۔

قائد کا میدانِ جنگ میں مشقتیں جھیلنا، حوصلے بڑھاتا ہے

میدانِ عمل میں بھی آپؐ نے مساوات اور برابری کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ ہر موقعے پر صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ کام کیا اور اپنے لیے کبھی کوئی امتیازی حیثیت پسند نہ کی۔ غزوۂ بدر میں آپ کے ساتھ سواری کی باری میں دو صحابی حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت مرثد بن ابی مرثدؓ شریک تھے۔ دونوں نے اپنی باری پر نبیؐ کو سوار ہونے کی پیش کش کی، جو آپؐ نے قبول نہ کی اور فرمایا: تم جسمانی قوت و طاقت میں مجھ سے زیادہ یا بڑھ کر نہیں ہو اور میں اخروی اجر سے بے نیاز و مستغنی بھی نہیں ہوں۔ اس لیے میں اپنی باری پر پیدل چلوں گا۔ حالانکہ اس وقت آپ کی عمر ۵۵ برس تھی۔ آپ کا یہ نمونہ دیکھ کر ساتھیوں کے جوش و جذبے کا اندازہ لگانا مشکل نہیں اور جس فوج یا لشکر کا قائد رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر عملاً مصائب و تکالیف برداشت کرے، اس کے ساتھی میدان جنگ میں کبھی پیچھے نہیں رہ سکتے۔ آپؐ کی اسی تواضع، انکساری، مساوات و برابری کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے ایک اشارے کے منتظر رہتے تھے، اور احکام و ارشاداتِ عالیہ کی تعمیل

کے لیے دوڑ پڑتے تھے۔

عسکری امور میں مشاورت

اجتماعی امور میں مشاورت انسانی اقدار میں سے ایک بہترین قدر ہے، جس کو اسلام نے صرف برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اس بارے میں مفصل احکامات وضوابط بھی عنایت فرمائے ہیں: شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ اجتماعی معاملات میں کوئی شخص انفرادی سوچ و ارادے کے تحت قدم نہ اٹھائے، جب تک سب متعلقہ لوگوں سے مشاورت نہ کرلے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک فرد کے مقابلے میں کئی افراد کی رائے کے درست اور اقرب الی الصواب ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ مشاورت میں زیر بحث معاملات کے تمام مثبت اور منفی پہلو کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ خوبیاں اور مثبت پہلو، شرکائے شوریٰ کو حوصلہ دیتے ہیں، جب کہ مشکلات اور رکاوٹوں کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک معاملے کو جب کئی افراد مختلف اندازنظر سے دیکھتے اور مل کر سوچتے ہیں تو اس کا کوئی پہلو بھی تشنہ اور مخفی نہیں رہتا۔ اس لیے اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی معاملات میں بھی مشاورت کا اصول اپنایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس اصول کی پابندی فرمائی۔

غزوۂ بدر کے موقعے پر نبی کریمؐ نے مدینہ منورہ سے باہر نکل کر قافلۂ تجارت کے ہاتھ سے چھوٹ جانے پر اور لشکرِ کفار سے جنگ کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ بالخصوص انصار سے مشورہ کیا۔ پھر میدانِ بدر میں لشکر کے پڑاؤ کے سلسلے میں حضرت خباب بن المنذر کا ماہرانہ مشورہ قبول فرمایا۔ پھر آپؐ نے اسیرانِ قریش جو جنگِ بدر میں گرفتار ہوئے تھے، ان کے مسئلے میں صحابہ کرامؓ بالخصوص دستیاب اہل الرائے حضرات سے مشورہ کیا۔ آپؐ کا یہ طرزِ عمل اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اجتماعی معاملات بالخصوص عسکری امور میں مشاورت ضروری ہے۔

اَحکامِ شریعت کے ساتھ ادبِ تسلیم و رضا

حضرت حباب بن المنذرؓ نے اپنی رائے جس خلوص سے پیش کی، وہ ایک مسلمان کے لیے اتباع کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے یہ معلوم کیا کہ جس جگہ آپؐ نے پڑاؤ

کیا ہے، آیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے جس کی تعمیل شرطِ ایمان ہے اور اس سے سرِ مُو سرتابی کی گنجایش نہیں ہے یا محض جنگی تدبیر اور حکمت عملی کے تحت از خود اپنی رائے سے اس جگہ کا انتخاب کیا ہے؟ جب نبیؐ نے فرمایا کہ یہ محض رائے ہے، وحی پر مبنی کوئی فیصلہ یا قطعی حکم نہیں ہے، تب حضرت خباب بن المنذرؓ نے اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت کی۔ ان کا یہ طرزِ عمل نبوی تربیت کا نتیجہ تھا۔ سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عام مسلمان اپنی عمومی زندگی میں اس قاعدہ کلیہ اور شرعی اصول کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے کہ جن معاملات میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم یا فیصلہ سامنے آجاتا یا معلوم ہوجاتا، تو غیر مشروط طور پر مانتے اور بلا چون و چرا سرِ اطاعت و تسلیم خم کرتے تھے۔ فوری طور پر اگر اس کی حکمتیں سمجھ نہ آتیں اور فوائد معلوم نہ ہوتے تب بھی حکم بجالاتے۔

ماہرین کی خدمات سے استفادہ

حضرت حباب بن المنذرؓ کے واقعے میں ایک تربیتی نکتہ آداب مشاورت سے متعلق یہ بھی ہے کہ اپنی ایماندارانہ رائے اور مخلصانہ مشورہ کو متعلقہ لوگوں تک پہنچانے میں بخل، سستی یا کاہلی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جہاں ضرورت محسوس کرے از خود بغیر طلب کیے آگے بڑھ کر خیر پر مبنی رائے اور مشورہ پیش کردینا چاہیے۔ قائدین کو بھی چاہیے کہ معاشرے کے سمجھ دار، اہل الرائے اور ماہرین سے متعلقہ معاملات میں مشاورت کرتے رہیں اور جب ان میں کوئی از خود بغیر طلب کیے اپنی رائے یا مشورہ پیش کرے تو اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے۔ متعلقہ مشیر اور ماہر کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے قائد و سالار اور افسرِ بالا کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھے اور پورے ادب و احترام سے اپنی رائے دلائل کے ساتھ پیش کرے اور یہ نہ سمجھے کہ میری رائے ہی حتمی طور پر درست اور صحیح ہے اور اس پر لازماً عمل ہونا چاہیے بلکہ اُسے اپنی رائے دلیل کے ساتھ پیش کرنے کوشش کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعائیں

غزوۂ بدر سے پہلے والی ساری رات، نبی کریمؐ نے جاگ کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں عاجزی کے ساتھ روتے ہوئے گزاری۔ آپؐ ساری رات لشکرِ اسلام کی فتح و نصرت کی دعائیں کرتے رہے۔ آپؐ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا اور آپؐ کو کامل یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور آئے گی اور یقیناً فتح حاصل ہوگی، لیکن چونکہ آپؐ عبدیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اس لیے

اس نازک اور مشکل وقت میں آپؐ پر خشوع وخضوع کی بہترین کیفیت طاری ہوگئی۔ اس طرح گویا آپؐ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ دعوتِ حق کے مجاہدین کو چاہیے کہ جس قدر ممکن ہو اسباب و وسائل مہیا کریں۔ پھر جو دستیاب ہوسکیں، انھیں بھرپور طریقے سے استعمال کریں لیکن اس کے باوجود ان کا بھروسا مادی اسباب و وسائل پر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اصل اعتماد اور بھروسا اللہ تعالیٰ اور اس کی مدد ونصرت پر ہونا چاہیے، کیونکہ سب کچھ اسی کی عنایت وتوفیق سے ہوتا ہے۔ اگر اس کی مشیت نہ ہو تو تمام اسباب و وسائل کے ہوتے ہوئے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق اور مدد ونصرت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ دعا ہے۔ دعا مومن کا سب سے مضبوط اور مؤثر ہتھیار ہے، جو ہر مشکل گھڑی میں اُس کے کام آتا ہے۔

غزوۂ بدر میں رسولؐ اللہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہایت خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت اور مدد کی دعائیں مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعائیں قبول فرما کر غیبی مدد ونصرت عطا فرمائی۔

قانون و عدالت کے سامنے مساوات وبرابری

غزوۂ بدر میں عین میدان جنگ میں صف آرائی کے موقعے پر نبی کریمؐ نے حضرت سواد بن غزیہ انصاریؓ کے مطالبے پر خود کو قصاص کے لیے پیش کیا کہ اپنا بدلہ مجھ سے لے لیں۔ اس میں آج کے قائدین، کمانڈروں اور حکمرانوں کے لیے چشم کشا اسباق پوشیدہ ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ حقوق العباد، بالفاظِ دیگر: انسانی حقوق کا معاملہ بے حد اہم ہے۔ کسی بھی انسان کا شخصی حق اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا جب تک صاحبِ حق معاف نہ کردے یا ادائیگی نہ کردی جائے۔ یہ ادائیگی وبہم رسانی طلب کیے جانے پر ہر حال میں ہوگی اور انسانی حقوق کسی حالت وصورت میں معطل و ساقط نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ خالقِ کائنات کا عطیہ و ہبہ ہیں، کسی انسان کے عطا کردہ نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلامی معاشرے میں ایک عام فرد اور جوان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ غیر معمولی اور ہنگامی ایمرجنسی حالات میں بھی اپنا حق سربراہِ حکومت ومملکت اور مسلح افواج کے کمانڈر اِنچیف سے بھی سے طلب کرسکتا ہے۔

جس شخص سے کسی حق کی ادائیگی یا شکوہ شکایت کی تلافی مطلوب ہے، اُسے خوش دلی اور

خندہ پیشانی سے متعلقہ اتھارٹی کے ذریعے یا ازخود براہِ راست مظلوم یا متأثرہ پارٹی کو اس کا حق دے دینا چاہیے۔ اگر اس سلسلہ میں عدلیہ یا کسی دوسرے ادارے کے سامنے پیش ہونا پڑے تو مضائقہ نہیں اور قانون و عدالت کے سامنے پیشی سے کسی کو بھی استثناء یا قانونی تحفظ حاصل نہیں ہے کیونکہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

اعلیٰ کارکردگی پر انعامات اور تمغے

کسی بھی کام کو بہترین اور اچھے انداز میں کروانے کا اس سے زیادہ بہتر کوئی نسخہ نہیں کہ اس کے لیے کوئی انعام مقرر کر دیا جائے۔ انسانی فطرت و نفسیات اور انسانوں کی تنظیم و مینجمنٹ کا اِدراک رکھنے والے جانتے ہیں کہ افرادِ اِنسانی کو ایک لڑی میں پرونا اور اُن سے کوئی بڑا کام لینا کتنا مشکل کام ہے۔ لیکن یہی مشکل کام انعامات اور حسنِ کارکردگی پر حوصلہ افزائی سے آسان اور بہترین صورت میں سرانجام پاتا ہے۔ دشمن کے ساتھ جنگ کی صورت میں تو ویسے بھی ہر آدمی اپنی اور اپنے متعلقین نیز مال و جایداد کی حفاظت اور حملہ آور دشمن سے مقابلے کے جذبات سے بھرا ہوتا ہے۔ ایسے میں اگر اُسے مزید حوصلہ افزائی و امید دلائی جائے تو یقیناً اس کی کارکردگی میں نمایاں اضافہ ہوسکتا ہے۔ جنگِ بدر میں نبی کریمؐ نے اسی انسانی نفسیات و اصولِ تنظیم کو پیشِ نظر رکھا۔ آپؐ نے بہادری و حسنِ کارکردگی پر انعامات کا پیشگی اِعلان کیا۔ رسولؐ اللہ نے غزوۂ بدر کے موقعے پر اپنے اِعلان سے صحابہ کرامؓ میں زبردست جوش و خروش پیدا کر دیا اور وہ اس ولولے کے ساتھ دشمن پر جھپٹے کہ صفوں کی صفیں الٹ دیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ عظیم سے نوازا۔

ایمان و مومنین سے یک جہتی ، شرک و مشرکین سے براءت

رسولؐ اللہ اور آپؐ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی جانوں اور مالوں کا سودا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنت کے عوض کر چکے تھے۔ انھوں نے اپنی وفاداریوں کا مرکز و محور اللہ اور اس کے رسولؐ کو بنا لیا تھا۔ دین و اِیمان اور عقیدے کے رشتہ کے علاوہ سب رشتوں ناتوں اور تعلقات کو ثانوی حیثیت ہی نہیں دی بلکہ ان کو مکمل طور پر ختم کر دیا تھا۔ اسی لیے تو مصعب بن عمیرؓ غزوۂ بدر کے موقعے پر اپنے حقیقی بھائی ابوعزیز کو مخاطب کر کے کتنی سچی اور کھری بات کہتے ہیں: تم نہیں بلکہ تمھیں گرفتار کرنے والے صحابی محرز ابوالیسر میرے بھائی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو قتل کرنے دوڑے۔ حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو اپنے ہاتھوں جہنم رسید کیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے اپنے والد عبداللہ بن الجراح کو قتل کر کے ثابت کیا کہ ایمان کا تعلق ہی اصل اور حقیقی تعلق ہے، اور اسی تعلق کی بنیاد پر اُن کی دوستیاں اور دشمنیاں ہیں۔ اگر اپنے حقیقی رشتہ دار، ماں باپ، اولاد، میاں بیوی یا پورا قبیلہ برادری بھی کفار اور دشمنانِ دین کی صف میں ہوتے تو اُن سے قطعِ تعلق میں تاخیر نہیں کرتے تھے۔ یہی ایمان مطلوب ہے اور ایسے لوگ ہی قرآن کی زبان میں 'حزب اللہ' کے ارکان شمار ہوتے ہیں۔

تعلیم و خواندگی کی اہمیت

نبی کریمؐ پر پہلی وحی اِقرأ کے الفاظ میں نازل ہوئی، جس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے اِسلام کی نظر میں تعلیم اور خواندگی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ نے غزوۂ بدر میں قید ہوکر آنے والے کفار سے جو فدیہ نہیں دے سکتے تھے، انصار کے بچوں کی تعلیم اور لکھائی پڑھائی سکھانے کا جو کام لیا، اس سے ایک طرف آپ کی رحمت و شفقت اور مثبت و مفید سوچ کا اِظہار ہوتا ہے، وہیں آپؐ کی نظر میں خواندگی اور تعلیم کی اہمیت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ آپؐ نبی اُمی ضرور تھے لیکن اُمت کی تعلیم و خواندگی کی بہت فکر کرتے تھے۔

بیت المال میں تصرف کے حقوق و حدود

ابوالعاص بن الربیع کو فدیہ سے مستثنیٰ قرار دینے کی جو بات آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمائی، اس میں اپنے ساتھیوں کی تالیفِ قلب کے ساتھ ساری امت کے لیے ہدایت و رہنمائی ہے کہ امت کے حکمرانوں اور بیت المال کے منتظمین سمیت کسی بھی فرد کو یہ حق نہیں کہ وہ بیت المال کو اپنے ذاتی و شخصی یا خاندانی مفادات کے لیے استعمال کرے۔ یہ بیت المال عامۃ الناس کی ملکیت ہے اور اس میں تصرف کے لیے مالک کی اجازت ضروری ہے، ورنہ اس کا تصرف خیانت میں شمار ہوگا۔

غزوۂ بدر، تاریخِ اسلام کا عظیم ترین سنگِ میل ہے۔ اس عظیم الشان غزوہ سے منسوب یہ چند اسباق ہمیں متوجہ کرتے ہیں کہ اسلامی تاریخ اور سیرتِ مطہرہؐ کے تمام واقعات اپنے اندر درس و رہنمائی کا ایک اَنمول خزانہ رکھتے ہیں۔